غازی محمد نعیم

پی ایچ ڈی سکالر شعبہ اردو، ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

غالبؔ اور اقبالؔ پر بیدل کے اثر کا تقابل

Ghazi Muhammad Naeem

PhD Scholar, Urdu Department,

Allama Iqbal Open University, Islamabad

A Study of Effects of Bedil on Ghalib and Iqbal

Mirza Abdul Qadir Bedil Dehlvi (Azimabadi) was one of the greatest thinkers of the subcontinent and perhaps the most significant poet and prominent literary figure after Amir Khusro. He saw the grandeur and subsequent downfall of the great Mughal Empire from the reign of Shah Jahan to that of Muhammad Shah Rangeela. Although he has expressed his thoughts in the sufi tradition of Ibn-e-Arabi and Jalal-ud-Din Rumi, Bedil's philosophy seems to encompass the entire gamut of ancient and modern philosophical thoughts of the Western philosophers. Bedil's poetry is the zenith of the Indian style of Persian poetry to which his poetic genius has added a great novelty of form and substance. Bedil's poetic style and philosophical and mystical thoughts have greatly influenced two most important figures of Persian and Urdu Poetry, Mirza Asadullah Khan Ghalib and Allama Muhammad Iqbal; both of them being devout admirers of this great predecessor. In this essay the influence of Bedil on these two great poets has been critically evaluated. There is a general misconception that Mirza Ghalib was misled by his temptation to copy the style of Bedil's poetry, which was generally thought to be difficult and ambiguous. But it is a fact thet both Ghalib and Iqbal have greatly been benefited by Bedil; especially the latter has reproduced the thoughts of Bedil in compiling his philosophy of ego or self.

غالب کے ذہنی ارتقا پر بیدل کی شاعری اور افکار نے کیا اثر ڈالا؟ یہ موضوع اہلِ علم کی خصوصی توجہ کا محتاج ہے۔ ابتدائے عمر میں غالب کے دل و دماغ نے بیدل کے فکر و فن سے جو اثر لیا تھا اس کا اظہار ان کی خودنوشت بیاض کے صفحۂ اول سے ہوتا ہے، جس کا آغاز ان الفاظ میں ہوا ہے:

'یا علی المرتضیٰ علیہ وعلیٰ اولادہٖ والصلوٰۃ والسلام یا حسن یا حسین بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ابوالمعانی میرزا عبدالقادر بیدل

رضی اللہ عنہ' اورتمت کے الفاظ یہ ہیں:

'تمت تمام شد بتاریخ چہاردہم رجب المرجب یوم سہ شنبہ سنہ ہجری وقت دو پہر روز باقیماندہ فقیراسد اللہ خاں عرف مرزا نوشہ متخلص بہ اسد عفی عنہ ازتحریر دیوان حسرت عنوان خود فراغت یافتہ بہ فکرِ کاوش مضامین دیگر رجوع بجناب روح میرزا علیہ الرحمہ آورد'(۱)

یہ بیاض جو ۱۸۵۷ء میں گم ہوگئی تھی خود غالب نے ۱۲۳۱ھ بمطابق ۱۸۱۶ء مرتب کی ہے۔(۲) میرزا کی تاریخِ پیدائش شب ہشتم ماہ رجب ۱۲۱۲ء ہے۔ پس اس بیاض کی تدوین کے وقت ان کی عمر محض انیس برس تھی، اور جیسا کہ اس بیاض کی لوح اور تمت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عمر میں جب کہ غالب کی شاعری اس عہدِ بلوغت میں داخل ہوگئی تھی جہاں اشعار وغزلیاتِ متفرقہ مقدار اور معیار کے لحاظ سے تدوین کے مرحلے تک پہنچنے کے قابل ہو گئے تھے، خود شاعر اپنے ذہنی مرشد میرزا عبدالقادر بیدل کی ذہنی دنیا میں یکسر غرق تھا۔

اس عمر میں غالب کے ہمہ تن محوِ بیدل ہونے کا ایک اور سراغ خواجہ عباداللہ اختر اور ڈاکٹر عبدالغنی نے پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں موجود بیدل کی دو مثنویوں 'طورِ معرفت' اور 'محیطِ اعظم' کی صورت میں لگایا ہے، جو میرزا اسداللہ خاں غالب کی ملکیت رہی ہیں۔ 'طورِ معرفت' کے صفحۂ اول پر غالب کی مہر موجود ہے اس پر ۱۲۳۱ھ کی تاریخ درج ہے۔ اس مثنوی پر غالب نے اپنے قلم سے اس کی تعریف میں درجِ ذیل شعر رقم کیا ہے:

ازین صحیفہ بنوعی ظہور معرفت است

کہ ذرہ ذرہ چراغان طور معرفت است

اسی طرح محیطِ اعظم کے نسخے پر غالب نے یہ تعریفی شعر لکھا ہے:

ھر حبابی را کہ موجش گل کند جام جم است

آب حیوان آب جوی از محیط اعظم است(۳)

۱۲۳۱ھ کا سن جو طورِ معرفت کے نسخے پر درج ہے جیسا کہ اوپر لکھ چکے ہیں، دیوانِ غالب کے نقشِ اولیں کی تکمیلِ تدوین کا بھی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ غالب آغازِ شباب میں بیدل کے کلام کا عمیق مطالعہ کر کے اس سے گہرا اثر لے چکے تھے، جس کا پرتو اس اولیں دیوان کے ہر شعر میں صاف دکھائی دیتا ہے۔

ڈاکٹر عبدالغنی نے غالب کی مثنوی 'چراغِ دیر' پر بیدل کی مشہور مثنوی 'طورِ معرفت' کے اثرات کا جائزہ لیا ہے۔ چراغِ دیر کا سالِ تصنیف ۱۸۲۷ء ہے۔ اگرچہ دونوں مثنویوں کا موضوع و مضمون مختلف ہے، جو ان دونوں شاعروں کی طبائع میں موجود بنیادی فرق کی عکاسی کرتا ہے۔ طورِ معرفت کے گیارہ سو اشعار عرفان نوازی کے گرد گھومتے ہیں، جب کہ چراغِ دیر کے ایک سو آٹھ اشعار کا محور صنفِ لطیف ہے۔(۴) لیکن عبدالغنی غالب کے تخیل، اسلوب، زبان، تراکیب اور استعارے پر بیدل کے گہرے اثرات کی نشاندہی کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ میرزا غالب۔۔۔ کے مزاجِ شعری سے بیدل کے اثرات کو ختم کر دیا

جائے تو بہت سے ایسے عناصر باقی نہیں رہیں گے جن کی بنا پر وہ (یعنی میرزا غالب) ہمیں اس قدر پسند ہیں۔(۵)

نسخۂ حمیدیہ کی کتابت ۱۸۲۱ء میں تکمیل کو پہنچی، جب غالب چوبیس یا پچیس برس کے تھے۔ اس دیوان میں بھی جا بجا طرزِ بیدل کی پیروی کا رنگ غالب ہے اور بعض اشعار بھی اس حقیقت کے غماز ہیں۔ غالب کا بیدل کی پیروی میں چنداں کامیاب نہ ہونے پر اظہارِ عجز بھی قرینِ حقیقت معلوم ہوتا ہے جو ان کے اِس شعر سے واضح ہے:

طرزِ بیدل میں ریختہ لکھنا
اسد اللہ خاں قیامت ہے

جب کہ حامیانِ قتیل سے ادبی معرکہ آرائی کے ہنگام میں بھی غالب بیدل کو اپنا مرجع سمجھتے رہے اور انہیں قلزمِ فیض اور محیطِ بے ساحل جیسے القابات سے یاد کیا۔(۶)

بیدل اور غالب کے کلام میں وہی فرق نظر آتا ہے جو معجزہ اور جادو میں ہے۔ نہ صرف غالب کے زبان و بیان پر بلکہ ان کے فکر پر بھی بیدل کی پرچھائیں دُور تک پڑتی نظر آتی ہیں۔ جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ غالب بیدل کا کامیاب تتبع کیوں نہ کر سکے، اس کا جواب ڈاکٹر عبدالغنی یوں دیتے ہیں:

''میرے خیال کے مطابق غالب نے بیدل کے رنگ میں غزل کہنا اُس وقت شروع کیا جب کہ وہ ابھی نو مشق تھے اور ان کی روح ان تجارب سے نا آشنا تھی جو تصوف کی عملی زندگی بسر کرنے کی وجہ سے بیدل کو حاصل ہوئے تھے۔ علاوہ بریں علمی لحاظ سے بھی جو وسعتِ نظر اور عمیق نگاہی بیدل کو میسر تھی، وہ غالب کے حصے میں نہ آئی۔''(۷)

ڈاکٹر عبدالغنی اس مقام پر علامہ اقبال کی اِس رائے کا بھی حوالہ دیتے ہیں کہ 'غالب نے بیدل کو سمجھا ہی نہیں، بیدل کا تصوف حرکی ہے اور غالب کا سکونی، یا جیسا کہ وہ فرماتے ہیں، بہتر الفاظ میں اسے مائل بہ سکون کہا جا سکتا ہے۔ یہ بہت بڑا اختلاف ہے، جسے نظر انداز نہیں کر سکتے۔'(۸)

'ڈاکٹر سر محمد اقبال سے بڑھ کر فکرِ بیدل کا حقیقی مزاج شناس اور کون ہو سکتا ہے۔ اقبال شیخ اکرام کے نام ایک خط میں برملا کہتے ہیں کہ 'غالب کو اردو نظم میں بیدل کی تقلید میں ناکامی ہوئی۔ غالب نے بیدل کے الفاظ کی نقالی ضرور کی لیکن بیدل کے معنی سے اُس کا دامن تہی رہا۔'(۹) اقبال کا خیال تھا کہ غالب کی اصل شاعری ان کی فارسی شاعری ہے اور ان کی فارسی شاعری کو سمجھنے کے لیے دو باتوں کا جاننا ضروری ہے۔ اول یہ کہ بیدل اور غالب کا آپس میں تعلق کیا ہے؟ اور دوم یہ کہ بیدل کا فلسفۂ حیات غالب کے دل و دماغ پر کہاں تک اثر انداز ہوا ہے اور غالب اس فلسفۂ حیات کو سمجھنے میں کس حد تک کامیاب ہوئے ہیں؟(۱۰)

غالب نے طرزِ بیدل میں ریختہ لکھنا کیوں چھوڑا؟ بظاہر یہی جواب ہے کہ اس بھاری پتھر کو اٹھانے سے عاجز رہے تو

چوم کر چھوڑ دیا۔ دوسری وجہ 'خیر خواہوں' کی نصیحت و تنبیہ تھی جس کی طرف حالی نے اشارہ کیا ہے کہ نکتہ چینوں کی تعریضوں سے ان کو بہت تنبہ ہوتا تھا اور آہستہ آہستہ ان کی طبیعت راہ پر آتی جاتی تھی اور خاص کر مولوی فضل حق کی روک ٹوک کام آئی۔(۱۱) لیکن ایک اور اہم سبب یہ تھا کہ غالب طرزِ بیدل سے شعوری انحراف نہ کرتے تو اس گھنے اور سایہ دار درخت کے زیرِ سایہ ان کی شخصیت کی نشو و نما کبھی نہ ہو پاتی اور وہ کبھی آسمان کو دیکھنے کے قابل نہ ہوتے۔ تاہم بیدل کے سحر سے نکلنا آسان کام نہ تھا، غالب بیدل کے اثر سے کلی طور پر تا حیات آزاد نہ ہو سکے تاہم اس باب میں جو کامیابی نہیں ملی وہ عرفی، ظہوری، نظیری، صائب اور کلیم جیسے شعرا کی دست گیری کا بھی نتیجہ تھی۔ غالب کے بہت سے مشہور اشعار بیدل کا چربہ معلوم ہوتے ہیں اور معجزے اور جادو کا فرق ان اشعار کے مطالعے سے واضح ہو کر سامنے آتا ہے۔

حیرت اور تاسف کا مقام ہے کہ مولانا شبلی کے قبیل کے ناقدین نے میرزا غالب کی ابتدائی دور کی مہمل گوئی کو بیدل کے تتبع کا نتیجہ کیوں سمجھ لیا کہ بیدل کے خلاف ایسا سخت فتویٰ صادر کر دیا:

> 'فارسی شاعری بیدل جیسے شعرا نے بگاڑ رکھی تھی۔ غالب نے نہ صرف اس کی اصلاح کی بلکہ شاعری کا انداز بالکل بدل دیا۔ ابتدا میں بیدل کی پیروی کی وجہ سے وہ بھی غلط راستہ پر پڑ گیا تھا۔'(۱۲)

اس سے بھی زیادہ حیرت کی بات یہ ہے کہ طرزِ بیدل سے شعوری انحراف کے بعد اپنی آخری عمر میں غالب میرزا بیدل کا ذکر اس قدر اہتمام سے نہیں کرتے۔ چنانچہ یکم اگست ۱۸۶۵ء کو محمد عبدالرزاق شاکر کے نام لکھے گئے ایک خط میں وہ بیدل کا ذکر سرسری انداز میں کرتے ہیں اور ان کی پیروی کو سنِ تمیز سے قبل کی چیز بتاتے ہیں۔(۱۳)

لیکن میرزا کا بیان صداقت پر مبنی معلوم نہیں ہوتا۔ جس دیوان کا ذکر انہوں نے اس خط میں کیا ہے، وہی نسخۂ بھوپال ہے جو دیوانِ غالب نسخۂ حمیدیہ کے نام سے چھپا ہے۔ اس دیوان میں نمونے کے دس پندرہ شعر نہیں بلکہ غالب کی چالیس پچاس شاہکار غزلیں شامل ہیں جن میں بعض ان کی شاعری کی آبرو ہیں اور ڈاکٹر فرمان فتح پوری کی تحقیق کے مطابق غالب نے نسخۂ حمیدیہ میں سے ساڑھے چار سو سے کچھ زائد اشعار منتخب کیے۔(۱۴) یوں اردو میں بھی ان کی شاعری کا معتد بہ حصہ مبدءِ فیاض کے علاوہ ابوالمعانی میرزا عبدالقادر بیدل کے فیضِ تربیت کی عطا معلوم ہوتا ہے۔

غالب کی دانستہ بیدل فراموشی کو احسان فراموشی کا ہم معنی کہہ سکتے ہیں۔ یادگارِ غالب میں جو صراحت غالب کی اپنی زبان سے پیش کی گئی

ہے وہ قابلِ توجہ ہے:

> 'اگر چہ طبیعت ابتدا سے نادر اور برگزیدہ خیالات کی جویا تھی لیکن آزادہ روی کے سبب ان لوگوں کی پیروی کرتا رہا جو راہِ صواب سے نابلد تھے۔ آخر ان لوگوں نے جو اس راہ میں پیش رو تھے، دیکھا کہ میں باوجود یکہ ان کے ہمراہ چلنے کی قابلیت رکھتا ہوں اور پھر بے راہ بھٹکتا پھرتا ہوں، ان کو میرے حال پر رحم آیا اور انہوں نے مجھ پر مربیانہ نظر ڈالی۔ شیخ علی حزیں نے مسکرا کر میری بے راہ روی مجھ

کو جتائی۔ طالب آملی اور عرفی شیرازی کی غضب آلود نگاہ نے آوارہ اور مطلق العنان پھرنے کا مادہ جو مجھ میں تھا اس کو فنا کیا۔ ظہوری نے اپنے کلام کی گیرائی سے میرے بازو پر تعویذ اور میری کمر پر زادِ راہ باندھا اور نظیری نے اس اپنی خاص روش پر چلنا مجھ کو سکھایا۔ اب اس گروہِ والاشکوہ کے فیضِ تربیت سے میرا کلکِ رقاص چال میں کبک ہے تو راگ میں موسیقار، جلوے میں طاؤس ہے تو پرواز میں عنقا۔' (۱۵)

پروفیسر محمد منور غالب اور ان کے طرف داروں کی اس احسان فراموشی کی روش کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

'ہم دیکھتے ہیں کہ خود غالب اور ان کی بات کو جوں کا توں قبول کرنے والوں نے غالب کی انتہائی گمراہی کو اس انداز میں پیش کیا ہے کہ احساس ہونے لگتا ہے گویا بیدل بیابانِ سخن کا کوئی چابک دست غول تھا جس نے غالب کو بہکائے اور بھٹکائے رکھا، کبھی سیدھی راہ کے قریب نہ پھٹکنے دیا۔ اس غول نے کچی عمر کے غالب پر ایسا جادو کر رکھا تھا کہ وہ سمجھ ہی نہ سکے کہ کس کے ہتے چڑھ گئے ہیں۔ چنانچہ وہ بہ صد عقیدت اس گمراہ کن روشنی کے پیچھے بھاگتے رہے اور اس سے اکتسابِ فیض کرتے رہے (اور کہتے رہے):

عصائے خضرِ صحرائے سخن ہے خامہ بیدل کا' (۱۶)

بیدل ایک صوفی ہونے کے ساتھ ایک عظیم مفکر تھے۔ انہوں نے اپنے فکر کی بنا پر حقیقتِ حیات و کائنات کا گہرا شعور حاصل کر لیا تھا۔ دوسری طرف میرزا غالب کی شاعری میں فکر کا ایسا مربوط نظام نہیں ملتا۔ غالب صاحبِ حال صوفی نہ تھے (۱۷) گو کہ ان کا فکرِ رسا انہیں ایک صوفی کی نظر عطا کرتا ہے، مگر وہ بیدل کا سا فکری اور روحانی مقام نہیں رکھتے۔ غالب فکرِ بیدل اور شعرِ بیدل سے متاثر ضرور ہوئے لیکن مخصوص افتادِ طبع کی بنا پر ان کی پیروی کو نہ نبھا سکے۔ بیدل اور غالب کے مزاج کا فرق ایسا ہی ہے جیسے ایک ولیِ کامل اور ایک عام ذہین اور طباع آدمی کا۔ نیاز فتح پوری اس ذیل میں لکھتے ہیں:

'غالب نے بیدل کے رنگ کو منطبق کرنا چاہا مادی شاعری پر، مادی تغزل پر اور ان واقعات حسن و عشق پر جو اس دنیا میں گوشت پوست سے متعلق رونما ہوتے ہیں، اس لیے جو کچھ اُس نے لکھا وہ اُس کیف سے خالی رہا جو بیدل کے یہاں پایا جاتا ہے اور چونکہ غالب کا ذوقِ شعری نہایت بلند تھا اِس لیے وہ اس کمی کو آخرِ کار خود سمجھ گیا۔' (۱۸)

یوں غالب اپنی بے پناہ ذہانت کے باوجود ابوالمعانی میرزا عبدالقادر کی فکری بلندیوں تک کبھی رسائی حاصل نہ کر سکے۔ پھر اردو زبان کا دامن اظہار کی ان سہولتوں سے یکسر خالی تھا، جن سے فارسی شاعری صدیوں سے مالا مال چلی آ رہی تھی۔ نتیجتاً طرزِ بیدل کی پیروی میں غالب کو اپنے پیچیدہ خیالات کے ابلاغ کے لیے اردو شاعری میں فارسی الفاظ و تراکیب کثرت سے استعمال کرنا پڑے، جس سے ان کی شعری زبان میں عجیب شتر گربگی کا عالم پیدا ہوا۔ اس فارسی نما اردو سے شعرا اور ناقدین

متوحش ہوئے اوغالب پر مہمل گوئی کا الزام عائد کیا جانے لگا:

کلامِ میر سمجھے اور زبانِ میرزا سمجھے
مگر ان کا کہا یا آپ سمجھے یا خدا سمجھے

غالب کو بہت جلد معلوم ہوگیا کہ طرزِ بیدل کا تتبع ٹیڑھی کھیر ہے اور انہیں اپنی غلط روی اور گمراہی کا بھی اندازہ ہوا کہ اس روش کی تقلید میں تو وہ اپنا انفرادی رنگِ سخن کبھی پیدا نہیں کرسکیں گے، چنانچہ جب فارسی گوئی کی طرف متوجہ ہوئے تو انہوں نے نظیری، عرفی کلیم، صائب، حزیں اور طالب آملی جیسے شعرا کا تتبع کیا۔ اس کے باوجود بقولِ مولانا حالی غالب بیدل کے اثر سے ساری زندگی آزاد نہ ہوسکے۔

اس خوف نے غالب کا آخری عمر تک پیچھا کیا کہ کہیں ان پر طرزِ بیدل کی نقالی کی چھاپ نہ لگ جائے، چنانچہ اپنے فارسی کلام میں جہاں کہیں صوری اور معنوی استفادے کا ذکر کیا تو انہوں نے بیدل کا نام لینے سے شعوری طور پر گریز کیا۔ بلکہ ستم تو یہ ہے کہ ڈھکے چھپے انداز میں بیدل کو شوکت اور اسیر کے زمرے میں شامل کیا جن کی پیروی کے باعث وہ ابتدائے شعر گوئی میں راہِ صواب سے دُور جا پڑے تھے۔ البتہ کلکتہ میں جب انہیں قتیل اور اس کے حامیوں کے ساتھ معرکہ درپیش ہوا تو اپنی فارسی دانی کی سند کے طور پر میرزا بیدل کا کلام بطور ثبوت لانے سے دریغ نہیں کیا۔

غالب نے بیدل کو یکسر مسترد کرتے ہوئے نہ صرف دیگر فارسی متقدمین کی غیر مشروط تقلید کو ضروری سمجھا، بلکہ اس تقلید کا ڈھنڈورا پیٹنا بھی ضروری خیال کیا تاکہ تقلیدِ بیدل کی بدنامی کا طرف غلطی سے بھی کسی کا دھیان نہ جائے۔

مولانا حالی نے محض اتنا کہنے پر اکتفا کیا ہے کہ اگرچہ (غالب نے) میرزا بیدل اور ان کی متبعین کی زبان میں شعر کہنا بالکل ترک کردیا تھا......مگر خیال میں بیدلیت مدت تک باقی رہی۔ (۱۹) لیکن محمد منور کے خیال میں فقط خیالات کی بیدلیت کے علاوہ بیدل کے الفاظ وتراکیب سے بھی غالب کاملاًالگ نہیں ہوسکے۔ (۲۰)

اب ہم اس پہلو پر توجہ دینے کی کوشش کریں گے کہ بیدل کی شاعری کے اسلوب ومعانی میں کیا خاص بات تھی جس نے میرزا غالب کو اس قدر مسحور کیا کہ وہ طرزِ بیدل کے والہ وشیدا ہوگئے۔ پہلی چیز تو بیدل کی طرزِ خاص ہی ہے جو فارسی شاعری کی سبکِ ہندی کی نمائندگی کرتی ہے اور بیدل نے اس خالص لسانی روایت کو اپنے تفلسف سے شیر وشکر کرکے اسے ایک نیا رنگ دیا۔ غالب اسے بہارِ ایجادیِ بیدل کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ زبان کے مروجہ الفاظ، تراکیب اور استعارے جب اپنے مافی الضمیر کی ادائیگی کے لیے ناکافی ثابت ہوئے تو بیدل نے خاص اپنی تخلیقی زبان وضع کی، جسے سبکِ ہندی کے بجائے سبکِ بیدل کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ بیدل کی تحلیل پسندی اور علوِ خیال نے ان کی زبان کو ایسا شکوہ عطا کیا جس کی مثال پیش کرنا مشکل ہے۔ دوسری طرف غالب نے جب اردو میں اپنی شاعری کا آغاز کا کیا تو میر کی روایتِ زبان اور اسلوب سے قطع نظر براہِ راست فارسی کی اس روایت سے اپنے اسلوب کو جوڑنا چاہا جہاں اسے تقریباً ایک صدی قبل بیدل چھوڑ گئے تھے۔ غالب کے اپنے بیان کے مطابق انہوں نے کم از کم تین شعرا بیدل، شوکت اور اسیر کے اسلوب سے اثر لیا تھا۔ غالب بیدل کے طرز

واسلوب سے ہی نہیں، ان کی شخصیت سے بھی متاثر ہوئے ہوں گے۔ وہ اپنے آپ کو اپنے ہم عصر شعرا سے ممتاز دیکھنا چاہتے تھے اور مروجہ روش سے ہٹ کر اپنے تخلیقی جوہر کا اظہار چاہتے تھے، چنانچہ انہوں نے بیدل کے تخلیلی مزاج اور رفعت وعلویت کو اپنے لیے قابلِ تقلید مثال سمجھ لیا۔ غالب محض بیدل کے الفاظ وتراکیب کے نقال نہیں بلکہ ان کے فکر وفلسفے کے بھی شیدائی بن گئے تھے۔ چنانچہ حمید احمد خاں کے خیال میں غالب نے محض اپنی نظم کا اندازِ بیاں ہی بیدل سے مستعار نہیں لیا بلکہ معنوی طور پر بھی وہ ایک نمایاں حد تک متاثر ہوا ہے۔ (۲۱)

غالب کے لیے بیدل کی بے مثال خودداری بھی قابلِ تقلید مثال تھی۔ یہ الگ بات ہے کہ غالب کے حالات بیدل سے مختلف تھے، اور بیدل کا زمانہ یوں بھی خوشحالی اور فارغ البالی کا تھا، جب علم وادب کی قدر و قیمت اور اہلِ علم وادب کی توقیر و عزت تھی۔ بیدل کو نواب شکر اللہ خاں جیسے قدر دان میسر آئے، جن کے لطف وعنایات کے سایے میں انہوں نے فارغ البالی کی زندگی گزاری اور ہر طرح کی معاشی پریشانی سے دُور رہے۔ جب کہ غالب کی ساری زندگی معاشی بدحالی اور بے اطمینانی کی نذر ہوئی۔ اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ جس طرح قصیدہ لکھنے کی فرمائش پر بیدل نے شاہزادہ اعظم کی نوکری چھوڑ دی تھی، اسی طرح حکومتِ ہند کے چیف سکریٹری مسٹر ٹامسن کی نوکری کی پیش کش کو غالب نے بھی محض اس لیے ٹھکرا دیا تھا کہ وقتِ ملاقات استقبال کے لیے سکریٹری بذاتِ خود دروازے پر نہیں آئے۔ اسی طرح اودھ کے نائب السلطنت مائل التفات تھے، لیکن آدابِ ملاقات کے باب میں شرائط نہ ہو سکیں اور غالب اپنی خودداری کے ہاتھوں محرومِ الطاف رہے۔

دونوں عظیم شعرا کے فکری تقابل کا خلاصہ ایک جملے میں یوں پیش کیا جا سکتا ہے کہ بیدل عظمتِ انسانی اور اعلیٰ آدرش کے نقیب اور پیغامبر ہیں اور غالب انسانی خواہشوں، خوابوں اور حسرتوں کی نمائندہ آواز ہیں۔ یہی سبب ہے کہ بیدل کے برعکس غالب کی شاعری میں عامی وعاصی کے لیے بھی اپیل موجود ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر سید عبداللہ نے بیدل اور غالب کے تصورِ آگاہی کا موازنہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بیدل آگاہی اور برتر آگاہی (حیرت) کے شاعر ہیں جب کہ غالب دیدہ وری اور اس المیہ احساس (شکست) کے شارح ہیں جس میں عقل اور آرزو کی کشمکش سے ایسا انسان نمودار ہو جاتا ہے جیسے گوئٹے کا فاؤسٹ تھا۔(۲۲)

بیدل کے ہاں فکری سلامت روی کا عنصر غالب سے زیادہ ہے۔ بیدل نے حیات وکائنات کے متعلق جو نقطۂ نظر ابتدائے عمر میں اختیار کیا تھا، اس پر وہ ساری زندگی ثابت قدمی سے گامزن رہے۔ یاد رہے کہ بیدل کا فلسفۂ حیات وکائنات مربوط اور مبسوط حالت میں ان کی مثنویوں محیطِ اعظم، عرفان، طلسمِ حیرت اور طورِ معرفت نیز دیگر طویل نظموں ترکیب بند اور ترجیع بند وغیرہ میں ملتا ہے، لیکن بیدل کی غزلوں میں بھی حکیمانہ مضامین کی کمی نہیں ہے۔ بلکہ محتاط اندازے کے مطابق ان کی غزلیہ شاعری کا بھی نصف سے زیادہ حصہ اخلاقی مضامین پر مشتمل ہے۔ اس طرح وہ ایک بہت بڑے معلمِ اخلاق کے رُوپ میں جلوہ گر ہوتے ہیں۔ جب کہ غالب کی شاعری میں براہِ راست نصائح کی صورت میں اخلاقی مضامین نہ ہونے کے برابر ہیں۔ بیدل اور غالب دونوں کے تصوف کی بنیاد عقیدۂ وحدت الوجود پر ہے، لیکن بیدل نے وجودی معاملات کو تمام تر گہرائی

اور گیرائی کے ساتھ اپنی شاعری کا موضوع بنایا، جب کہ غالب کے ہاں 'تصوف برائے شعر گفتن خوب است' والی صورتِ حال ہے۔ تصوف کے حوالے سے ان کے مضامین محض روایتی ہیں اور روحانی تجربے کی آنچ اور عمق سے محروم ہیں۔ بیدل نے عقیدۂ وحدت الوجود کی بنیاد پر اپنے تصورِ عظمتِ آدم کی عظیم الشان عمارت کھڑی کی ہے۔ بیدل کا تصورِ عظمتِ آدم ہی ان کے فلسفۂ خودی وخودداری کی بنیاد بنا ہے۔ عقیدۂ عظمتِ آدم اور فلسفۂ خودی کو جس شد و مد کے ساتھ بیدل نے پیش کیا، علامہ محمد اقبال کی استثنائی مثال کے علاوہ فارسی یا اردو کے کسی شاعر کے ہاں بھی ان سے پہلے یا ان کے بعد ایسا جلیل القدر کام نہیں ہو سکا۔ نیز جہد وعمل پر ان کی اخلاقی شاعری میں جتنا زور ہے وہ بھی بہ لحاظِ کیفیت وکمیت رومی و اقبال سے کسی طور کمتر نہیں ہے۔ غالب کے ہاں بھی انا، خودداری، آزادگی اور ذوق وشوق کے مضامین کی کمی نہیں، لیکن بہ حیثیتِ مجموعی ان کا پایہ بیدل کی حکیمانہ شاعری کے مقابلے میں فروتر ہے۔ بیدل کے مقابلے میں غالب کے ہاں تضادِ فکری کا عنصر بہت غالب ہے۔ وہ کہیں رجائیت کے معراج پر نظر آتے ہیں، تو کبھی قنوطیت کے پاتال میں گرے ہوئے۔ وہ عظمتِ انسانی کے معترف تو ہیں لیکن انسانی تقدیر کے انجام کے متعلق زیادہ پر امید معلوم نہیں ہوتے۔ انہوں نے اکثر نثر ونظم میں محرومیِ جاوید کی بات کی ہے اور حیاتِ دنیوی کے رنج وراحت کو ہی حاصلِ وجود جانا ہے۔ چنانچہ ان کی شاعری میں اس بلند مطمحِ نظر اور آدرش کا فقدان نظر آتا ہے جس سے تصوفِ اسلامی سے عملی وابستگی کے باعث بیدل کی شاعری مملو دکھائی دیتی ہے۔

لیکن اس اعتبار سے غالب کو بیدل پر تفوق حاصل ہے کہ غالب نے انسانی زندگی کی تقریباً ہر صورتِ حال کو اپنی شاعری اور بالخصوص غزل کا موضوع بنایا ہے۔ ان کی شاعری میں جہاں اہلِ تصوف وعرفان کے لائق اعتنا ہیرے جواہر کی کمی نہیں ہے، وہاں دنیاداروں کی بھی سلگتی ہوئی خواہشوں، خوف اور حسرت کی تصویر کشی ہے۔ عشقِ حقیقی کے ساتھ عشقِ مجازی کے رنگوں کی کہکشاں بھی موجود ہے، جو ہر ذوق اور طبیعت کے قاری کے لیے انشراحِ طبع اور تسکینِ ذوق کا سامان فراہم کرتی ہے۔ غالب کی شاعری میں حیات وکائنات کے لاتعداد مسائل پر گہرے حکیمانہ خیالات موجود ہیں۔

بیدل اور غالب دونوں ادبی دنیا کی نابغۂ روزگار شخصیتیں ہیں لیکن بہ نظرِ غائر دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ بیدل کی عبقریت غالب سے بڑھ کر ہے۔ علامہ اقبال کی رائے کے مطابق بیدل کا ذہنِ رسا دنیا کے عظیم مفکرین کے ادراک کا احاطہ کیے ہوئے ہے اور ان کے فکری اور وجدانی تجربات سے گزرتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ (۲۳)

بیدل اور غالب کے اس تقابل کے بعد اب ہم بیدل اور اقبال کی فکری وفنی مشابہتوں کا جائزہ لیتے ہیں۔ محتاط انداز سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ جہاں زبان اور اسلوب کے اعتبار سے غالب اور بیدل کے درمیان قریبی مشابہت موجود ہے، وہاں فکر و فلسفے کے لحاظ سے بیدل کی مشابہت غالب کی نسبت اقبال سے زیادہ ہے۔ اقبال نے اپنی شاعری میں مشرقیت کی روح کو قائم رکھنے کے لیے بیدل اور غالب دونوں سے استفادہ کیا ہے۔ عمومی رجحان ان تینوں شعرا کا کچھ یوں ہے کہ بیدل ادب برائے زندگی اور ادب برائے ادب دونوں کو اپنا مقصود جانتے تھے، البتہ مقصدیت کا عنصر ان کی شاعری میں غالب نظر آتا ہے۔ غالب کے ہاں زندگی اور فلسفۂ زندگی کا بیان بھرپور انداز سے ہوا ہے لیکن شاعر کا اپنا آدرش فن برائے فن معلوم ہوتا ہے۔

جب کہ اقبال کی شاعری کا مقصود و مطلوب محض اپنے درس و پیغامِ حیات کی ترسیل ہے، اور شاعری محض ایک ذریعۂ ابلاغ کے طور پر استعمال ہوئی ہے۔

بیدل کے پیغامِ حیات کا عمومی مخاطب عالمِ انسانیت اور خصوصی مخاطب اہلِ اسلام ہیں، جب کہ اقبال کا پیغام تر امتِ اسلامیہ کے لیے مخصوص ہے، مگر چونکہ اس میں عمومی عناصر بھی قدرتی طور پر موجود ہیں اس لیے اس پیغام کے بعض پہلو اہلِ عالم کے لیے عمومی دلچسپی کا باعث بھی بن سکتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ اقبال نے مولانا رومی کو اپنا پیر و مرشد مان لیا تھا اور وہ رومی کی غیر مشروط تقلید پر بھی زور دیتے تھے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اقبال کو اپنے فلسفۂ خودی اور تصورِ جہد و عمل کے اثبات کے لیے رومی کے ہاں سب سے زیادہ مواد دستیاب ہوا ہے۔ لیکن اقبال ابن عربی کے اثر و تاثیر کے اعتراف کے باوجود اپنے فلسفۂ خودی کی تشکیل کے ذیل میں ابنِ عربی کے عقیدۂ وحدت الوجود کی شدت سے مخالفت کرتے ہیں۔ (۲۴) اس کے برعکس بیدل اور غالب دونوں پکے وحدت الوجودی ہیں۔ غالب کی وحدت الوجودیت تو محض علمی دلچسپی کی چیز ہے جب کہ بیدل نے اسے اپنے فکر و فلسفہ اور روحانیت کی بنیاد بنایا ہے۔

چونکہ بیدل نے اپنے تصورِ عظمتِ آدم کو عقیدۂ وحدت الوجود کی بنیاد پر ہی استوار کیا ہے اور ان کے فلسفۂ خودی کا سارا خمیر ان کے عقیدۂ عظمتِ انسانی سے تیار ہوا ہے، اس باعث ہمیں بیدل اور اقبال کے درمیان ایک فکری مغائرت کا سا احساس ہوتا ہے۔ لیکن عظمتِ آدم کا تصور دونوں حکیم شعرا کے ہاں اس شد و مد کے ساتھ پیش ہوا ہے کہ اقبال اس فکر کے بیان میں تمام شعرائے مشرق و مغرب کی نسبت بیدل سے قریب تر ہیں۔

اقبال بیدل کی عظمتِ فن اور ان کے فلسفۂ حیات کے معترف اور موید ضرور ہیں لیکن وہ بیدل کو نہ تو ولی کامل سمجھتے ہیں اور نہ ان کے فلسفے کو ہر عیب اور نقص سے مبرا خیال کرتے ہیں۔ خاص طور پر وحدت الوجود کے باب میں وہ بیدل سے بھی شدید اختلاف رکھتے ہیں اور تنزلاتِ ستہ کے عقیدے کو وہ ایران مانویت کی تعبیر اور ظلمت پسندی کی شکل قرار دیتے ہیں۔

ہم یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ غالب اور اقبال نے بیدل کا مطالعہ کس وسعت اور گہرائی سے کیا۔ غالب نے بیدل کے دیوان کا مطالعہ تو یقیناً ژرف نگاہی سے کیا ہوگا، اس کا ثبوت ان کی ابتدائی اردو شاعری پر بیدل کی غزل کے گہرے اثرات سے ہی فراہم ہوتا ہے، نیز غالب نے بیدل کی مثنویوں کا بھی مطالعہ کیا ہے۔ محیطِ اعظم اور طورِ معرفت کا اس ضمن میں ذکر ہو چکا ہے۔ جہاں تک اقبال کا تعلق ہے، ان کے پاس بھی بیدل کا تیس ہزار اشعار پر مشتمل دیوان موجود تھا، جس کا نہ صرف انہوں نے بالاستیعاب مطالعہ کیا تھا بلکہ ساتھ ساتھ انہوں نے بیدل کے چیدہ اور گزیدہ اشعار کو متفرق کاغذات پر نوٹ بھی کر لیا تھا۔ اقبال نے پنجاب یونیورسٹی کے بی اے کے فارسی نصاب کے لیے نکاتِ بیدل سے ایک انتخاب بھی مرتب کیا تھا۔ (۲۵) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بیدل کی دیگر تصانیف بھی ان کی دسترس میں رہی ہوں گی۔ بیدل کا تصورِ عظمتِ آدم اور نظریۂ خودی غزلیات اور رباعیات کی نسبت ان کی مثنویوں، ترجیع بند، ترکیب بند اور ایک قصیدہ موسوم بہ مدارِ فطرت میں زیادہ شرح و بسط

کے ساتھ پیش ہوا ہے۔ محیطِ اعظم کا ساقی نامہ اقبال کے ساقی نامہ سے بہ لحاظِ اسلوب و معنی خصوصی مماثلت رکھتا ہے، اس لیے گماں گزرتا ہے کہ بیدل کی مثنویاں بھی اقبال کے زیرِ نظر رہی ہوں گی۔ اقبال نے فکرِ بیدل پر ایک مبسوط مضمون Bedil in light of Burguson کے نام سے قلمبند کیا ہے، جس میں بیدل اور برگساں کے تصورِ زماں کے درمیان مطابقت تلاش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اقبال اپنی انگریزی تصنیف stray reflections میں بیدل کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ کس طرح مغربی ادب و فلسفہ سے اثر پذیری کے باوجود بیدل اور غالب نے ان کی شاعری اور فکر و فلسفے میں مشرقیت کی روح کو زندہ رکھا ہے۔ (۲۶)

سید نعیم الحامد نے روزگارِ فقیر جلد ۲ ص ۵۷، ۵۸ کے حوالے سے لکھا ہے کہ علامہ مرحوم نے 'قلمی دیوانِ بیدل' کو اپنی قیمتی ممتلکات میں شمار کرتے ہوئے اپنے صاحبزادے جاوید اقبال کو بطور یادگار خصوصاً عطا کیا تھا۔ (۲۷)

ملفوظاتِ اقبال میں متعدد مقامات پر بیدل کا تذکرہ پایا جاتا ہے۔ اقبال بیدل کی عظمت کے اس قدر معترف تھے کہ انہیں دنیا کے چار مؤثر ترین علمی شخصیات میں شمار کرتے تھے۔ چنانچہ ایک بار پروفیسر سلیم چشتی سے برسبیلِ تذکرہ فرمایا: 'دنیا میں چار آدمی ایسے ہیں کہ جو شخص ان میں سے کسی ایک کے طلسم میں گرفتار ہو جاتا ہے، مشکل سے رہائی پاتا ہے اور وہ ہیں: ابنِ عربی، شنکراچاریہ، بیدل اور ہیگل' (۲۸)

اقبال غالباً کلیاتِ بیدل کی اشاعت کے بھی متمنی تھے، چنانچہ انہوں نے مہاراجہ کشن پرشاد کو کلیاتِ بیدل مرتب کرنے کی تجویز بھی دی تھی۔ (۲۹)

پروفیسر حمید احمد خاں بیدل سے اقبال کی اثر پذیری کے ضمن میں ایک دلچسپ انکشاف کرتے ہیں کہ علامہ نے مطالعۂ بیدل کے ایام میں ان کے کلام سے پسندیدہ اشعار کا انتخاب فرمایا تھا لیکن وہ کاغذات ادھر اُدھر ہو گئے۔ (۳۰)

ڈاکٹر محمد ریاض نے اقبال کی بیدل شناسی اور بیدل دوستی کے ضمن میں لکھا ہے کہ انہوں نے ضلع گوجرانوالہ کے ایک فاضل شاعر غلام حسین شاکر صدیقی کو مطالعۂ زبان فارسی اور قوتِ بیان میں قدرت و وسعت کے حصول کی خاطر مطالعۂ بیدل کا مشورہ دیا تھا۔ (۳۱)

اقبال بیدل کے مردانہ اور غیورانہ لہجۂ بیان کے بھی دلدادہ تھے۔ فرماتے تھے حریت دوستی نے بیدل کے کلام کو ایک آزاد ملک افغانستان میں اس قدر مقبول و مستحسن بنا رکھا ہے اور برصغیر کے غلامی پرورہ ماحول میں اسے چنداں تداول حاصل نہیں ہے۔ (۳۲)

بیدل شناسی کی اہمیت کے بارے میں اقبال کے ارشادات ان کی وفات سے ایک سال قبل کے ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اقبال تمام عمر بیدل کے مداح رہے اور اپنی آخری عمر میں بھی وہ فکرِ بیدل کی تفہیم کا شد و مد سے پرچار کر رہے تھے۔

اقبال غالب کی نسبت بیدل کے فلسفے سے زیادہ متاثر تھے۔فرماتے تھے کہ بیدل کے تصوف میں حرکت ہے مگر غالب کا تصوف مائل بہ سکون ہے۔ بیدل کا یہ حرکی عنصر اس قدر نمایاں ہے کہ اس کا معشوق بھی صاحبِ خرام ہے۔(۳۳)

اپنے ایک خط مؤرخہ ۱۲ مئی ۱۹۳۷ء میں اقبال رقمطراز ہیں کہ غالب نے طرزِ بیدل پر چلنے کی کافی کوشش کی اور اس قسم کے شعر کہے:

سراپا رہنِ عشق و ناگزیرِ الفتِ ہستی
عبادت برق کی کرتا ہوں اور افسوس حاصل کا

مگر جب انہوں نے دیکھا کہ راستہ دشوار گزار ہے تو اُسے ترک کر دیا۔ (۳۴)

ایک دوسرے خط میں اقبال شیخ محمد اکرام کی 'غالب نامہ' کی تعریف و توصیف کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں:

'............میرا ہمیشہ یہ خیال رہا ہے کہ میرزا غالب اپنے اردو اشعار میں میرزا بیدل کا تتبع کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ ظاہری طور پر آپ نے بیدل کی خوب پیروی کی مگر باطناً ان کے معانی سے دُور جا پڑے۔ اس سے اندازہ لگایئے کہ بیدل کی فکر ان کے معاصرین کے لیے کس قدر ترقی یافتہ واقع ہوئی تھی۔ اس امر کے شواہد موجود ہیں کہ ہند اور بیرونِ ہند میں بیدل کے معاصر اور دیگر فارسی دان فلسفۂ حیات کے بارے میں بیدل کے افکار کو سمجھنے سے قاصر رہے ہیں۔' (۳۵)

پروفیسر حمید احمد خاں کا بیان ہے کہ ۱۵ر فروری ۱۹۳۷ء کو لاہور میں انجمنِ اردو پنجاب کے زیرِ اہتمام 'یومِ غالب' منایا گیا۔ اس موقع پر علامہ اقبال نے بھی ایک پیغام بھیجا جس میں دو باتوں کی اہمیت پر زور دیا گیا۔اول یہ کہ عالمِ شعر میں میرزا عبدالقادر بیدل اور میرزا غالب کا آپس میں کیا تعلق ہے۔ دوم یہ کہ میرزا بیدل کا فلسفۂ حیات غالب کے دل و دماغ پر کہاں تک مؤثر ہوا ہے اور میرزا غالب اس فلسفۂ حیات کو سمجھنے میں کس حد تک کامیاب ہوئے ہیں۔' (۳۶)

اب آیئے بیدل اور اقبال کے فکری اشتراک اور اختلاف کی طرف۔ اقبال کا مخصوص انداز یہ ہے کہ کوئی فکر و فلسفہ جو ان کے تصورِ حیات سے متصادم ہو، ان کی نظر میں مردود و معتوب ٹھہرتا ہے۔ اسی بنیاد پر وہ ابن العربی کے عقیدۂ وحدت الوجود سے بھی شدید اختلاف رکھتے ہیں اور عجمی تصوف کے منفی اور حیات گریز تصورات کی ہر حال میں بیخ کنی چاہتے ہیں، جس کی زد میں حافظ شیرازی اور کئی دیگر متصوفین تو آ گئے، لیکن رومی اس بنا پر بچ گئے کہ ان کا تصوف حرکی ہے اور اس میں حرکت و عمل کی ضرورت پر زور ہے۔ بیدل کے بارے میں بھی اقبال کا رویہ یہ ہے کہ وہ بیدل کے حرکی تصورِ حیات کے حامی ہیں، چاہے وہ تصورِ حیات بعد الممات سے کیوں نہ متصادم ہو، لیکن جہاں بات ابن العربی کے عقیدۂ وحدت الوجود سے پیدا ہونے والے فلسفۂ تنزلات کی آتی ہے، جس سے بیدل متفق ہیں، وہاں اقبال ایک دم بیدل کے مخالف بن جاتے ہیں اور ان کے تصوف کو مانویت Manichaenism قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک فلسفۂ تنزلات نورِ مطلق کے دھندلا جانے یا تاریک ہو جانے کا نام ہے۔

اقبال یہ بھی فرماتے ہیں کہ بیدل کے خیال میں خدا حرکتِ حیات سے متشخص ہے اور اللہ فی الزمان God in time ہے یعنی ایسا خدا جس کی ایک تاریخ ہے اور جس کا ایک حصہ ظہور پذیر ہو چکا ہے اور اس کی ذات میں موجود ہے اور بعض کی تفصیل ہر لحظہ طے ہو رہی ہے۔ اس دعویٰ کا سبب بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ برگساں اور ان کے اپنے فکر کے مطابق ہے۔

اقبال کے نظریۂ خودی کی تشریح و توضیح میں تو اقبال شناسوں نے شرح و بسط سے کتابیں اور مضامین تصنیف کیے ہیں، جب کہ بیدل کے ہاں عظمتِ انسانی کے مضامین کی وسعت اقبال سے زیادہ ہے اور خودی کا نظریہ بھی تقریباً اسی قدر رشد و مد کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ بیدل کے نظریۂ خودی میں دوئی کی گنجائش نہیں، یعنی بیدل خدا اور خودی کی دوئی کو توحیدِ حقیقی کے منافی سمجھتے ہیں اور یہی وحدت الوجود کی حقیقی روح ہے۔ اس لحاظ سے جب ہم اقبال کے نظریۂ خودی کا جائزہ لیتے ہیں تو وہاں خدا اور خودی کی دوئی کا شائبہ ہوتا ہے، کیونکہ اقبال کو خدا کی خودی کے مقابلے میں انسان کی خودی کا استقلال پسند ہے۔ دوسری طرف اقبال کی طرح بیدل کا بھی خیال ہے کہ کائنات کی لامحدود وسعتیں روحِ انسانی کے لامحدود امکانات کو بروئے کار لانے کا وسیلہ ہیں، تاکہ انسان کی جملہ مخفی صلاحیتوں کا اظہار ہو اور ارتقا پا کر وہ خود کو موجودات کی سطح سے اٹھا کر اس ارفع مقام تک پہنچائے، جو قدرت نے اس کی رسائی میں رکھا ہے۔

عشق و جنوں کے مضمون سے بیدل اور اقبال دونوں کو شغف ہے اور یہ ان مفکر شاعروں کے نظریۂ خودی اور تصورِ جہد و عمل اور ارتقا کی ترجمانی کرتا ہے۔ اقبال تو عقل کے مقابلے میں عشق و جنوں کی اس قدر حمایت کرتے ہیں کہ کہیں کہیں ان پر خرد دشمنی کا باطل گمان گزرنے لگتا ہے۔ بیدل عقل کے مداح ہیں لیکن ارتقائے حیات کے لیے عشق و جنوں کی اہمیت پر زور دیتے ہیں۔ زندگی عشق و جنوں کے بل بوتے پر ہی آگے کی طرف جست بھرتی ہے، جب کہ عقل تو سود و زیاں کے اندازوں سے خود کو آزاد نہیں کر پاتی۔ بیدل نہ صرف عقل کے ساتھ جنوں کو لازمۂ حیات سمجھتے ہیں بلکہ وہ تو جنوں کو عقلِ رسا کے بل بوتے پر حاصل ہونے والی بادشاہی پر بھی ترجیح دیتے ہیں:

با ھر کمال اندکی دیوانگی خوش است
گیرم کہ عقل کل شدہ ای بی جنوں مباش
پادشاھی بہ جنون جمع نگردد بیدل
تاج گیرند اگر آبلۂ پا بخشند

اقبال اول الذکر شعر کے مفہوم کو یوں بیان کرتے ہیں:

لازم ہے دل کے ساتھ رہے پاسبانِ عقل
لیکن کبھی کبھی اُسے تنہا بھی چھوڑ دے

بیدل کے ہاں خودی اور خودداری لازم و ملزوم حقائق ہیں۔ ان کے نزدیک خودداری فقر و درویشی کا عطیہ ہے۔ وہ کہتے

ہیں:

آخر ز فقر بر سر دنیا زدیم پا
خلقی بہ جاہ تکیہ زد و ما زدیم پا

اور اقبال اپنے انداز میں کہتے ہیں:

مرا طریق امیری نہیں فقیری ہے
خودی نہ بیچ غریبی میں نام پیدا کر

اقبال منفی تصوف کے مخالف ہیں اور فقرِ خانقاہی کو زندگی گریز رویہ سمجھتے ہیں:

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسمِ شبیری
کہ فقرِ خانقاہی ہے فقط اندوہ و دلگیری

بیدل بھی اس فقرِ خانقاہی کے مخالف ہیں جس کا مقصود محض ترکِ آب و ناں ہے۔ وہ بھی منفی تصوف کی یوں مذمت کرتے ہیں:

در مزاج خلق بیکاری هوس می پرورد
غافلان نام فضولی را تصوف کرده اند

بیدل کا فلسفۂ طاقت وقوت بھی اقبال سے مماثلت رکھتا ہے۔ ان حکیم شعرا کے کلام میں جو قوت کی تعریف اور ضعیفی کی مذمت کی گئی ہے وہ دراصل قرآن کریم کی روح کے مطابق ہے۔ اقبال فرماتے ہیں:

تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے
ہے جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات

بیدل بھی ضعیفی کو فروغِ ظلم واستبداد کا ذریعہ قرار دیتے ہیں:

بازار ظلم گرمست از پهلوی ضعیفان
آتش بہ عزم اقبال دارد شگون ز خسها

شوق، طلب، جستجو اور سوز وتپش بیدل، غالب اور اقبال تینوں کا پسندیدہ موضوع رہے ہیں۔ اسی خوبی کی بنا پر ہی اقبال بیدل کے تصوف کو حرکی تصوف قرار دیتے ہیں، کیونکہ یہی جذبہ حرکت وعمل اور جہد وجہاد کی اساس ہے۔ بیدل کہتے ہیں:

ای طلب در وصل هم مشکن غبار جستجو
آتشم گر زنده میخواهی ز پا منشان مرا

اقبال تو لذتِ طلب کے اس قدر قائل ہیں کہ فراق کو بھی وصل پر ترجیح دیتے ہیں:

عالمِ سوز و ساز میں وصل سے بڑھ کے ہے فراق
ہجر میں لذتِ طلب، وصل میں مرگِ آرزو

زندگی حرکتِ مسلسل سے عبارت ہے اور یہ ارتقائے خودی کا لازمہ ہے۔ فلسفۂ حرکت کی تشریح کے لیے بیدل اور اقبال دونوں کی مشترک علامت 'موج' ہے۔ بیدل کہتے ہیں:

موج دریا را طپیدن رقص عیش زندگیست
بسمل او را بہ بی آرامی است آرامہا

اقبال فرماتے ہیں:

موجیم کہ آسودگی ما عدم ماست
ما زندہ ازانیم کہ آرام نگیریم

بیدل کا 'مرد' ہی اقبال کا مردِ مومن ہے۔ بیدل کے نزدیک مرد کا جہاں اور ہے اور مردم کا جہاں اور:

جھد مردان دیگر است و سعی مردم دیگر است
لمعۂ خورشید دیگر تاب انجم دیگر است

بیدل زندگی کو جہدِ مسلسل سمجھتے ہیں، وہ منزل کے نہیں سفرِ مسلسل کے قائل ہیں:

در طلب باید گذشت از ھر پیش آید بہ پیش
گر ھمہ سر منزل مقصود باشد جادہ است

اور اقبال کہتے ہیں:

ہر اک مقام سے آگے مقام ہے تیرا
حیات ذوقِ سفر کے سوا کچھ اور نہیں

بیدل کے نزدیک زندگی میں اعلیٰ مقاصد کا حصول جہدِ سخت کے بغیر ممکن نہیں۔ اقبال نے کہا تھا 'نقش ہیں سب ناتمام خونِ جگر کے بغیر'، بیدل بھی اسی خونِ جگر کی بات کرتے ہیں:

بی خون شدن سراغ دلت سخت مشکل است
انگور می نگشتہ بہ مینا نمی رسد

بیدل اور اقبال دونوں تنازع للبقا (struggle for existence) کے قائل ہیں اور بقائے اصلح (survival of the fittest) پر یقین رکھتے ہیں۔ جو افراد یا قومیں جہد و عمل سے عاری ہوتی ہیں، وہ مٹ کر رہ جاتی ہیں۔ اقبال کا نظریہ تو عیاں ہے، بیدل فرماتے ہیں:

درین رہ شود پایمال حوادث
چو نقش قدم ھر کہ خوابیدہ باشد

بیدل اور اقبال دونوں کے نزدیک تسخیرِ کائنات کے لیے واحد مؤثر قوت قوتِ عشق ہے۔ بیدل کہتے ہیں:

دو عالم می توان از یک نگاہ گرم طی کردن
تگاپوی شرر نی جادہ می خواھد نہ فرسنگی

اب اقبال کا شعر دیکھیے:

عشق کی اک جست ہی نے کر دیا قصہ تمام
اس زمین و آسماں کو بے کراں سمجھا تھا میں

بیدل فرصتِ عمل کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے کہتے ہیں:

من نمی گویم زیان کن یا بہ فکر سود باش
ای ز فرصت بی خبر در ھر چہ باشی زود باش

اقبال اسی مضمون کو یوں ادا کرتے ہیں:

گرمِ فغاں ہے جرس، اٹھ کہ گیا قافلہ
وائے وہ رہرو کہ ہے منتظرِ راحلہ

سخت کوشی اور خطرطلبی جہد وعمل کے ساتھ لازم وملزوم ہیں۔ بیدل اور اقبال دونوں ہی نے اپنی شاعری میں جد وجہد، سخت کوشی اور خطرطلبی کی تعریف وتوصیف کی ہے اور یقیناً اولیت کا شرف بیدل کو حاصل ہے، جو کہتے ہیں:

مردان ز غم سختی ایام گذشتند
من نیز بر این کوہ پلنگم کہ برآیم

اور اقبال یوں خیال ظاہر کرتے ہیں:

ملے گا منزلِ مقصود کا اسی کو چراغ
اندھیری شب میں ہے چیتے کی آنکھ جس کا چراغ

یہ تو بیدل کے محض چند گزیدہ اشعار ہیں جن کا ہم نے اقبال سے فلسفۂ خودی اور تصورِ جہد وعمل کے باب میں تقابل پیش کیا ہے۔ اگر بیدل اور اقبال کے کلیات سے مضامینِ خودی وعظمتِ انسانی کا تقابلی مطالعہ کیا جائے تو وہ ایک ضخیم مقالے کا موضوع بن سکتا ہے۔

غالب کے برعکس بیدل سے اقبال کی اثر پذیری تمام عمر قائم رہی، بلکہ انہوں نے مطالعۂ بیدل کی طرف اہلِ ادب کی توجہ اپنی آخری عمر میں زیادہ دلائی ہے۔ تاہم غالب کے مقابلے میں بیدل کی برتری کے قائل ہونے کے باوجود عظمتِ بیدل کے اعتراف میں اقبال نے بھی فیاضی سے کام نہیں لیا ہے۔ اقبال نے بیدل کو 'مرشدِ کامل' تو کہہ دیا لیکن 'بیدل' کے عنوان سے ان کی اردو شاعری میں صرف ایک مختصر نظم موجود ہے اور اس میں بھی فکرِ بیدل کے محض ایک نکتے کا ذکر ہے، بیدل کی شخصیت

اورفن کی تعریف وتوصیف نہیں۔ دوسری طرف غالب کی شخصیت وفکروفن کے اعتراف میں بانگِ درا میں پوری نظم لکھ ڈالی ہے، جس میں اقبال نے غالب کو گوئٹے کا مثیل قرار دیا ہے۔ جاوید نامہ میں اقبال نے جہاں دنیائے علم وادب کی بہت سی شخصیات کے افکار پیش کیے ہیں اور غالب نمایاں جگہ دی ہے، وہاں بیدل کا ذکر تک نہیں کیا۔☆

☆☆☆

حواشی

۱۔ نقوش غالب نمبر مع نو دریافت بیاضِ غالب بخط غالب، مدیر محمد طفیل، ادارۂ فروغِ اردو لاہور، جولائی ۱۹۸۴ء، ص ۵۱، ۲۹۷

۲۔ اس بیاض کے بخطِ غالب ہونے نہ ہونے کا معاملہ بھی اردو تحقیق کی معرکہ آرائیوں میں شامل ہو گیا ہے۔ فرمان فتح پوری سمیت بعض ناقدین نے اس کے جعلی ہونے کا انکشاف کیا ہے، مگر اہلِ ادب و تحقیق کی ایک واضح اکثریت اس کے اصولی ہونے کا اعتراف کرتی ہے۔ اس بحث کی جو تفصیل 'نقوش' میں وقتاً فوقتاً چھپتی رہی ہے اس کا خلاصہ نائیلہ انجم نے اپنی تالیف میں پیش کیا ہے۔ دیکھیے رسالۂ نقوش میں ذخیرۂ غالبیات، الفیصل، لاہور، ۱۹۸۹ء ص ۱۸۹ تا ۲۱۰

۳۔ عبدالغنی، ڈاکٹر، 'میرزا غالب کا سفرِ کلکتہ اور بیدل'، مشمولہ صحیفہ غالب نمبر، جنوری ۱۹۶۹ء مجلسِ ترقیِ ادب، ۲ کلب روڈ، لاہور، ص ۲۷۲

۴۔ ایضاً ص ۲۸۰

۵۔ ایضاً

۶۔ میرزا اسداللہ خاں غالب، کلیاتِ غالب فارسی مرتبہ سید مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی، مجلس ترقی ادب لاہور، ۱۹۶۷ء ص ۲۸۷،

۷۔ عبدالغنی، ڈاکٹر، روحِ بیدل، مجلس ترقی ادب لاہور، ۱۹۶۷ء ص ۱۴۰

۸۔ ایضاً ص ۱۴۰

۹۔ سید معین الرحمٰن، ڈاکٹر، نقوشِ غالب، الوقار پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۵ء ص ۲۵۰

۱۰۔ ایضاً ص ۲۵۲

۱۱۔ یادگارِ غالب ص ۱۱۱

۱۲۔ بحوالۂ بیدل از خواجہ عباداللہ اختر ص ۹۲

۱۳۔ بنام محمد عبدالرزاق شاکر یکم اگست ۱۸۶۵ء خطوطِ غالب جلد دوم، مطبوعاتِ مجلس یادگارِ غالب، پنجاب یونیورسٹی لاہور، ۱۹۶۹ء ص ۷۵۵

۱۴۔ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، غالب شاعرِ امروز وفردا، اظہار سنز لاہور، ۱۹۷۰ء ص ۲۲۴

۱۵۔ الطاف حسین حالی، یادگارِ غالب، مجلس ترقی ادب لاہور، سن۔ن ص ۲۸۱

۱۶۔ محمد منور، 'مرزا غالب کی فارسی غزل' مشمولہ صحیفہ غالب نمبر، جنوری ۱۹۶۹ء ص ۲۹۳

۱۷۔ نواب انوار الدولہ سعد الدین خان بہادر کے نام خط میں لکھتے ہیں۔' آرائشِ مضامینِ شعر کے واسطے کچھ تصوف کچھ نجوم لگا رکھا ہے، ورنہ سوائے موزونیِ طبع کے یہاں اور کیا رکھا ہے؟ (خطوطِ غالب (۳) مرتبہ خلیق انجم، انجمن ترقیِ اردو پاکستان، کراچی، ۱۹۹۰ء ص ۹۸۷)

۱۸۔ نیاز فتح پوری، غالب و بیدل، غالب شناسی اور نیاز و نگار مرتبہ ڈاکٹر سلیم اختر، الوقار پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۸ء ص ۱۰۰، ۱۰۲

۱۹۔ یادگارِ غالب ص ۲۸۷

۲۰۔ صحیفہ ص ۳۰۰ تا ۳۰۲

۲۱۔ حمید احمد خاں، پروفیسر، 'غالب اور بیدل'، مرقعِ غالب، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۲۰۰۳ء ص ۱۱۷

۲۲۔ سید عبداللہ، ڈاکٹر، 'بیدل اور غالب کا تصورِ آگاہی' مشمولہ فارسی زبان و ادب، مجلس ترقی ادب لاہور، ۱۹۷۷ء ص ۳۸۲

۲۳۔ تحسین فراقی، ڈاکٹر، مترجم، مطالعۂ بیدل فکرِ برگساں کی روشنی میں، از علامہ محمد اقبال، یونیورسل بکس، ۴۰۔اے، اردو بازار لاہور، ۱۹۸۸ء ص ۲۸

۲۴۔ اگرچہ اپنی فکری زندگی کے اوائل اور اواخر میں وہ ابنِ عربی کے قائل بھی معلوم ہوتے ہیں۔

۲۵۔ حمید احمد خاں، پروفیسر، اقبال کی شخصیت اور شاعری، بزمِ اقبال لاہور، ۱۹۷۴ء ص ۸۵

۲۶۔ محمد ریاض، ڈاکٹر، 'میرزا عبدالقادر مطالعۂ اقبال کی روشنی میں' مشمولہ اقبال ریویو، مجلّہ اقبال اکادمی پاکستان، جلد ۱۲، شمارہ ۴، جنوری ۱۹۷۲ء ص ۵۶

۲۷۔ نعیم حامد علی الحامد، سید، بہارِ ایجادیِ بیدل، بابر علی فاؤنڈیشن معرفت پیکجز لمیٹڈ لاہور، ۲۰۰۸ء ص ۴۱۹

۲۸۔ سلیم چشتی، پروفیسر، شرح ضربِ کلیم ص ۱۱۳ بحوالہ ڈاکٹر امانت، حیاتِ بیدل اور دیگر مضامین، اردو رائٹرز گلڈ الہ آباد، ۱۹۸۰ء ص ۴۳

۲۹۔ اقبال نامہ جلد ا ص ۸۶ بحوالہ ڈاکٹر محمد ریاض، اقبال اور فارسی شعراء، اقبال اکادمی پاکستان لاہور، ۱۹۷۷ء ص ۲۵۶

۳۰۔ اقبال کی شخصیت اور شاعری ص ۸۴

۳۱۔ یہ بات خواجہ عباداللہ اختر نے اپنی تصنیف 'بیدل' میں نقل کی ہے اور لکھا ہے کہ ایک دوست نے اقبال کے منہ سے ایسا سنا ہے۔ (بیدل، ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ لاہور، طبعِ دوم، ۱۹۶۱ء ص ۱)

۳۲۔ میرزا عبدالقادر، مطالعۂ اقبال کی روشنی میں ص ۶۵، ۶۶

۳۳۔ مرقعِ غالب ص ۱۳۶

۳۴۔ انوارِ اقبال ص ۳۸ بحوالۂ اقبال اور فارسی شعرا ص ۲۳۱

۳۵۔ خطوط وتحریراتِ اقبال (انگریزی) ص ۳۳،۳۴ بحوالۂ اقبال اور فارسی شعرا ص ۲۷۱

۳۶۔ 'علامہ اقبال کا انتخابِ بیدل' مشمولہ اقبال کی شخصیت اور شاعری ۱۹۷۴ء ص ۸۶

ماخذ ومنابع، کتب:

آزاد، پروفیسر جگن ناتھ۔ 'بیدل اور غالب'۔ نئی دہلی: غالب انسٹی ٹیوٹ۔۱۹۹۸ء

اقبال، ڈاکٹر سر علامہ محمد۔ کلیاتِ اقبال اردو (اشاعتِ دوم)۔ لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز۔۱۹۹۶ء

اقبال، ڈاکٹر سر علامہ محمد۔ کلیاتِ اقبال فارسی۔ لاہور: اقبال اکادمی۔۱۹۹۰ء

بیدل، میرزا عبدالقادر۔ کلیاتِ بیدل، جلد اول (غزلیات)، جلد چہارم (چہار عنصر، رقعاتِ بیدل، نکاتِ بیدل)۔ کابل: دپوہنی وزارت ودارالتالیف ریاست۔۱۹۶۳ء

خلیفہ عبدالحکیم، ڈاکٹر۔ فکرِ اقبال۔ لاہور: بزمِ اقبال، کلب روڈ۔۱۹۸۸ء

خوشگو، بندرابن داس۔ سفینۂ خوشگو (دفترِ ثالث)۔ مرتب، سید شاہ محمد عطاء الرحمٰن عطا کاکوی، سلسلۂ انتشارات ادارۂ تحقیقات عربی وفارسی پٹنہ (بہار) ۱۹۵۹ء

رفیع الدین، محمد۔ حکمتِ اقبال۔ اسلام آباد: ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی۔۱۹۹۶ء

صدیقی، پروفیسر ظہیر احمد۔ دلِ بیدل۔ لاہور: مجلس تحقیق وتالیف فارسی، گورنمنٹ کالج، س ن

عبدالغنی، ڈاکٹر۔ فیضِ بیدل۔ لاہور: مجلس ترقی ادب۔ اشاعتِ دوم، ۲۰۰۷ء

غالب، میرزا اسداللہ خاں۔ دیوانِ غالب، نسخۂ عرشی۔ مرتبہ امتیاز علی خاں عرشی۔ لاہور: مجلس ترقی ادب۔۱۹۹۲ء

نعیم، ڈاکٹر غازی محمد۔ غالب کا اسلوبِ حیات، تحقیقی وتنقیدی جائزہ، مقالہ ایم فل اردو، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد۔۲۰۰۳ء

رسائل:

احسن الظفر، پروفیسر ڈاکٹر سید۔ 'تاثیر بیدل بر غالب'۔ دانش مجلّہ ادارہ تحقیقاتِ فارسی ایران وپاکستان، اسلام آباد، شمارہ ۵۱

خاں، پروفیسر حمید احمد۔ 'غالب اور بیدل' مشمولہ ہمایوں شمارہ جنوری / مارچ ۱۹۳۸ء

خواجہ عبدالرشید، کرنل۔ 'شگفتہ اور مردانہ وارتخیل' (غالب، گرامی اور اقبال)۔ جریدہ 'غیر مطبوعہ کتابیں نمبر، جلد دوم، شمارہ ۳۰۔ شعبۂ تصنیف وتالیف کراچی یونیورسٹی۔۲۰۰۴ء

ریاض، ڈاکٹر محمد۔ 'تاثیر بر ہنر واندیشۂ اقبال' اقبال ریویو شمارہ جنوری ۱۹۷۲ء

ریاض، ڈاکٹر محمد۔ بیدل اور اقبال، ایک سرسری مطالعہ۔ اقبال، سہ ماہی مجلّہ بزمِ اقبال، لاہور۔ اپریل ۱۹۷۶ء

صدیقی، ڈاکٹر ابواللیث۔ 'اقبال اور بیدل' مشمولہ ماہِ نو استقلال نمبر ۱۹۵۴ء اور ستمبر ۱۹۷۷ء

عابد، سید عابد علی۔ 'غالب اور بیدل' نئی تحریریں، حلقۂ اربابِ ذوق لاہور۔ ت۔ن

عبدالغنی، ڈاکٹر۔ 'بیدل کا مولد و مدفن' جریدہ ۳۰، شعبۂ تصنیف و تالیف و ترجمہ جامعہ کراچی۔ ۲۰۰۴ء

کاکوی، پروفیسر عطاء الرحمٰن۔ 'مرزا عبدالقادر بیدل' مضمون مطبوعہ خدا بخش لائبریری جرنل پٹنہ ۴۴، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ

منور، پروفیسر مرزا محمد۔ 'مرزا عبدالقادر بیدل۔ مدرسِ خودی' اقبال ریویو، شمارہ ۲، جلد ۲۵، جولائی ۱۹۸۴ء

منور، پروفیسر مرزا محمد۔ 'بیدل کی نوائے بے نیازی' جریدہ 'غیر مطبوعہ کتابیں نمبر' جلد دوم، شمارہ ۳۰۔ شعبۂ تصنیف و تالیف کراچی یونیورسٹی۔ ۲۰۰۴ء